معاشرتی ترقی میں ادب کا کردار

R0LE OF LITERATURE IN SOCIAL DEVELOPMENT

Dr. Ansaruddin Madani
Dr.Faza Muslim

Abstract:
Man naturally takes intrest in poetry and literature. In fact, literature etiquette is elegant jewelry for a man. Although there are not the real tastes of an individual's physical beauty in poetry & literature but, it is the aspect of inner beauty of a person with which he not only beautifies himself but also his society. So literal people can play a better role in the society for wellbeing and with the strength of the character they can make individuals the subject to social obligations. For this sake, Urdu language & literature can also play an excellent role in an individual's life for the building and betterment of a better society. Therefor, it is fundamental to develop Urdu literature and sustain it.

Keywords*: Literature, Urdu, Development, Culture, Beauty, Society.*

خلاصہ
اس مقالہ میں مقالہ نگار نے معاشرتی ترقی میں ادب کے کردار کو اجاگر کیا ہے۔ ان کے مطابق، انسانی فطری طور پر شاعری اور ادب میں شغف رکھتا ہے۔ دراصل، ادب انسانی تہذیب کا زیور ہے۔ اگرچہ ادبیات میں مادی حسن نظر نہیں آتا لیکن یہ انسان کے باطنی حسن کا آئینہ دار ہیں۔ ادیب اپنے باطنی حسن کی جلوہ گری کے ذریعے اپنے معاشرے کی اصلاح کر سکتا ہے اور معاشرے میں اعلی انسانی اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان و ادبیات ہمیشہ ایک خاص اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ بنابریں، معاشرتی اصلاح اور ترقی کے دعویداروں کو نہ فقط اردو ادبیات کو پروان چڑھانے، بلکہ اسے پائیدار رکھنے کی ضرورت ہے۔

کلیدی کلمات: ادب، اردو، ترقی، تہذیب،حسن، معاشرہ۔

معاشرہ اور ادب

ادب افراد اور اقوام کی فکری اور نظریاتی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ادیب معاشرے کا دماغ ہوتا ہے اور ان خیالات کا مظہر ہوتا ہے جو کہ ایک معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ انہی خیالات کو ادیب ایک سانچے میں ڈال کرحسین پیرایا عطا کرتا ہے۔ یہی ادیب کبھی انسانوں کی صورت میں معاشرے کی تصویر کشی کرتا نظر آتا ہے اور یہی اس کا حسن بیان اور اس کی شناخت بن جاتا ہے۔ وہ اپنے تجربات اور احساسات کو لے کر اپنی تہذیب و ثکافتی اقدار کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اور جب یہی ادیب اپنے اوپر شاعری کا لباس پہنتا ہے۔ تب ہی اس کی سوچ کا محور اس کی تہذیبی اقدار ہوتی ہیں۔ اس کا مقصد نظم یا نثر دونوں صورتوں میں افراد و اقوام کی فکر و نظریا کار فرما ہوتا ہے اور جب یہی نظم صوفیانہ شاعری کا رنگ اختیار کر لے تو اس میں اعلیٰ انسانی اقدار کے ساتھ ساتھ مقصد کے معنی بھی سمائے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر جیسے ہی قصوں اور کہانیوں داستانوں کو عامحفل اور مجالس میں بیان کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو دلچسپی کے ساتھ سننے کا سلسلہ وسیع تر ہو گیا اور پھر گیتوں اور داستانوں کی بھی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ اگرہم یہ کہیں کہ ادب براہ راست ہماری زندگی سے تعلق رکھتا ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

کیونکہ ادیب ایک عظیم تہذیبی وثقافتی روایت کا علمبردار آزادی اور اخوت کا پرستار رہاہے۔ ہمیشہ آگے کی طرف قدم بڑھاتا، اپنی قدروں کی پرستش کرتا اور انسانی محبت کے گیت گاتا ہوا، اقدار کیر کے نغمے سناتا نظرآتاہے۔ یہ ادیب ہی ہے جو اپنے قلم سے خیالات اور واقعات کی تصویر کشی کرتا ہے ۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ پاکستان کی سرزمین پر کئی نامور ادیبوں ، شاعروں اور افسانہ نگاروں نے جنم لیا ہے جو عالمی سطح پر اس ملک کی پہچان ہیں ۔ مگر گزرتے وقت کے ساتھ ایسابھی ہوا بقول ڈاکٹرانعام الحق کوثر:''آج کل تو کچھ ادیب ایسے ہیں جو اپنے آپ کو ادیب ظاہر کرتے ہیں نمود ونمائش ان کا شیوہ ہے تکلف وتصنع ان کا شعار ہے یہ لوگ الٹی سیدھی چیزیں لکھ کر ادیبوں کی صف میں اپنی جگہ بنانے کے خواہش مندہیں ظاہر ایسے ادیبوں کی تحریروں میں کوئی تجربہ نہیں ہوتا وہ تو محض شہرت حاصل کرنے کے خیال سے ادب کو اختیار کرتے ہیں''۔[i]

یہ حقیقت ہے کہ گذشتہ چندسالوں سے ادب کے نام پر جو تماشے ہورہے ہیں اس کی وجہ سے ایک بے حسی کا عالم طاری ہے وہ ادیب جن کی تحریروں میں کوئی حقیقت پر گہرا اثر پڑھتاہے لوگوں کے اوپراب کوئی اثرنہیں ہوتا اب ایسی محسوسات بالکل ناپیدہیں۔ مثلاً پرانے لکھنے والوں میں بیگم عبدالحفیظ کا ناول تہنیت جو کہ ۱۹۵۹ء میں منظرعام پر آیا۔ خورشید عبدالحفیظ کا یہ ناول بڑے خوبصورت انداز میں معاشرے کے عیوب و نقائض کو بیان کرتاہے۔ انہوں نے اس ناول میں ہندوستان کے مسلمانوں کی داستان زوال اور دور حاضر کی تعلیمی اور سیاسی جدوجہد کا آغاز کو افسانے کی شکل میں پیش کیا۔ مصنفہ ایک جگہ لکھتی ہیں: ارے میاں باادب، بانصیب، بے ادب، بے نصیب۔ بزرگوں کی بات کا بُرا نہیں ماننا چاہیے وہ خواہ کچھ بھی کہیں وہ بزرگ ہیں۔ انہیں حق ہے۔ تمہاری سعادت مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ تم سب کچھ برداشت کرو اور چپ رہو، اس میں تمہاری بڑائی اور اس سے خدا اور اس کے رسول خوش ہوتے ہیں۔ خوشحالی آتی ہے۔ [ii]

اس پیراگراف میں مصنفہ نے اتنے خوبصورت انداز میں ایک اسلامی قدر کو اجاگر کیا ہے کہ بڑوں کے آگے خاموشی اختیار کرو۔ ادب کا تقاضہ ہے کہ انسان اپنے بڑوں کے آگے زبان درازی نہ کرے اس سلسلے میں سرورکائنات حضرت محمدﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جوانی میں کیے گئے ہر عمل بڑھاپے کی نسبت دوگنا اجرہے۔[iii] بیگم خورشیدلکھتی ہیں کہ: ''ہمارا تعلق بھی شاہی خاندان سے ہے، چنے کے ساتھ گھن بھی پسے گا ہم پر بھی مصیبت آئے گی جس طرح پیڑیوں سے سارا کنبہ ساتھ رہا اب بھی ساتھ میں مرے گا اور جئے گا۔ چندلوگوں کے حسرت و یاس سے دل کا جائزہ لیا، دل نے کہا تیرا وطن اس کے سوہنی مٹی دریاؤں کا میٹھا پانی معتدل نرم ونازک ہوائیں، لہلہاتے کھیت، آزادی، پیاری آزادی، کندن کی طرح دمکنے لگے''۔[iv]

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جہاں رہتاہے اس جگہ سے انسان کو محبت ہوتی ہے۔ یہ صفت تو جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے کجاانسان۔ مگر جب بات آزادی کی ہو جہاں سب کچھ اس کا اپناہو۔ اپنی مرضی سے سانس لینا ہو، تو اس آزادی کی خاطر انسان سب کچھ چھوڑنے پر راضی ہوجاتا ہے۔ اسلام میں اس کی مثال ہجرت کی صورت میں موجود ہے کہ جب حضوراکرمﷺ اور آپﷺ کے اصحاب پر جب ظلم وستم کی حد بڑھ گئی تو آپﷺ نے ہجرت کا حکم دیا۔ اور آپﷺ سمیت سب نے ہجرت کی آزادی کی خاطر ہجرت کرنا ہماری ایک قدر ہے اور یہ قدر ہمارے اقدار میں شامل ہے۔

اسی طرح وحیدہ نسیم کا ناول شبو رانی بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۹٤٦ء میں یہ ناول منظرعام پر آیا، اور چھا گیا۔ یہ ناول بیک وقت رومانوی بھی ہے اور تاریخی بھی مصنفہ نے محبت کو اپنی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے بڑے حسین انداز سے لکھا ہے۔ شبو رانی ایک نازک اندام لڑکی ہے جو ڈگری یافتہ نہ ہونے کے باوجود ہمارے معاشرے کی جان ہے، یہ ایک تہذیب یافتہ کردار ہے، اس کردار نے نسوانیت کو معراج پر پہنچایا۔ ایک عورت جسے اسلام اپنی حدود میں رہ کر آزادی دیتاہے ۔اس کردار نے اپنی حدود میں رہ کر کردار کو منوایاہے اور پھر عاشق ومعشوق کی اعلیٰ اقدار کو متعارف کرایاہے اور انسان کو کسی بھی معاملے میں خود غرض نہیں ہونا چاہیے۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

''ارے ممتاز آج تم، ناشتہ تیار کررہی ہو، ہاں رحمان کو بخار ہے، وہ تو ایک ہفتے سے بیمار ہے، لیکن یاسین کہاں ہے؟ وہ بھی کل رخصت ہوگئے۔ آپ چلیئے میں ابھی ناشتہ لاتی ہوں۔ ممتاز نے مسکراکے کہا اور خالد سمجھ گئےکہ اس وقت باورچی خانے میں اس کا ٹھہرنا مناسب نہیں۔ اس لئے وہ صحن طے کرتا ہوا دالان میں آیا جہاں اس کے ماموں اخبار پڑھ کر اس کو تہہ کررہے تھے اور ممانی جان وظیفے سے فارغ ہوکر جائے نماز کا کونہ الٹ رہی تھیں''۔ [v]

یاسین اور رحمان کا کردار گھرکے ملازمین کا ہے مگر اس میں ایک احساس اجاگر ہے کہ بیشک وہ ملازم ہیں مگر ان کی تکلیف کو محسوس کیا گیا ہے ہمارا دین ومذہب بھی اسی بات کی تاکید کرتاہے کہ انسانیت کا احترام سب پر لازم ہے وہ احساس اس ناول میں نظر آرہا ہے۔ پھر نماز کا پڑھنا اس کی اہمیت کو بھی اجاگر کررہا ہے کہ گھر کے بزرگ صبح دیر تک عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اس منظر میں ایک مسلم گھرانے کی تہذیب اجاگر ہورہی ہے ۔ دراصل، ہماری مشرقی تہذیب کا خاصہ ہے کہ جب لڑکا اور لڑکی کی نسبت طے ہوجائے تو ان کے درمیان جب تک شادی نہیں ہوجاتی، ایک لحاظ آجاتاہے۔ یہی لحاظ ہماری تہذیبی قدر ہے، اور اسی قدر کو مصنفہ نے اجاگر کیاہے۔ ''ارے بیٹا! تم نے شبورانی کو دیکھا ہے؟ سنتی ہوں بڑی خوبصورت ہے۔ ممانی جان نے کمرے میں آکر پوچھا اور ممتاز کے قدم جاتے جاتے رک گئے، ہوگی خوبصورت، اتنا تو میں نے بھی دیکھا ہے۔ خان بہادر صاحب کا گھرانہ قدیم ہے، اور پردے کا سخت پابندہے۔ پردے کا پابند ہے! عجیب بات ہے حالانکہ بڑے گھروں میں بلعموم پردہ زیادہ نہیں ہوتا۔ دیکھتے نہیں، زمانے میں کتنی فیشن کی ہوا چلی ہے''۔ [vi]

انسان کتناہی ترقی کی منازل طے کرے مگر اسے اپنی روایات کو برقرار رکھنا چاہیئے اور یہی روایات اس کا قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں۔ اپنی روایات کی بدولت اس کی پہچان ہے اسی طرح پروہ بھی ہماری روایات کا حصہ ہے۔ ہماری تہذیبی روایات میں مردان خانہ اور زنان خانہ موجود ہے۔ مگر وقت کے بڑھتے سائے اس روایت کو فراموش کرچکے ہیں۔ مگر ادیبوں نے اپنی تحریروں میں نئی تہذیب کو ہی موضوع سخن بنایا ہے کہ ہماری تہذیب کیوں کر ایک بہترین تہذیب بن سکتی ہے۔ یہ تمام اقدار کہ جو ہماری معاشرت میں شامل ہوکر زندگی کو ایک حسن بخشتی رہی ہیں ہمیں دوسری تہذیبوں سے ممتاز کررہی ہیں۔ رات کا سناٹا بار بار اس کو شبورانی کے الفاظ یاد دلاتا رہتاہے کہ: ''جب آپ تنہا ہوتے ہیں تو کبھی اس تنہائی میں غور کریں جب کوئی اور پاس نہیں ہوتا تو آدمی کے دل کے اندر چھپا ہوا انسان جاگ اٹھتا ہے جس کو روز اول فرشتون نے سجدہ کیا۔ اگر ہوسکے تو اس کی آواز سنئے، وہ آپ کو فرش سے اٹھا کر عرش تک لے جائے گا۔ انسان اگر انسانیت کے مرتبے سے گر جائے تو اس کی ہستی ایک مشت خاک سے کچھ زیادہ نہ رہے جس کو اڑا کر منتشر کرنے کے لئے ہوا کا ایک ایک جھونکا کافی ہے''۔ [vii]

شاید یہی طرز فکر تھا جس نے خالد کو کبھی راہ سے بے راہ ہونے دیا۔ پاکستان سے والہانہ محبت اور قائداعظم سے دیوانہ وار عقیدت یہی وہ شئے تھی جس کے سہارے وہ زندہ تھا۔ ورنہ ماحول اس کے لئے ساز گار نہ تھا ۔ وہ کبھی قدم قدم پرکھلے انگریزی اسکول کو دیکھتا اور کبھی ان بچوں کو دیکھتا جو اپنی تہذیب سے بیگانہ تھے اور کبھی مقدس درسگاہوں میں رقص کے مظاہروں کو دیکھتا تو گھنٹوں سوچتا کہ آخر یہ ہمارے طبقے کی تہذیب ہے جو عام ہورہی ہے۔ آج ہماری تہذیب جس ڈگر پر چل رہی ہے۔ قائداعظم نے کبھی ایسا سوچا بھی نہ ہوگا کہ وہ ملک جس کو اتنی کوششوں اور قربانیوں سے حاصل کیا جارہاہے، آئندہ پچاس، ساٹھ برسوں میں اس ملک اور اس کی تہذیب کا کیا حال ہوگا؟ آج ہماری تہذیب اصل رنگ سے ہٹ چکی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ علم وادب ایمان کی جڑوں کو گہرا اور مضبوط کرتاہے: ''جب اسلام پھیل گیا اور جزیرۃ العرب سے دوسرے ممالک تک پہنچا تو ان ممالک کے عام لوگوں میں اسلام کو جلدی قبول کرلیا۔ لیکن جو لوگ علم وادب سے آگاہ تھے۔ انہوں نے اسلام کو جلدی قبول نہیں کیا۔ بلکہ ایک مدت گذر جانے کے بعد جب ان پر ثابت ہوگیا کہ اسلام دنیاو آخرت کا دین ہے تو پھر انہوں نے اسے قبول کیا''۔[viii]

معصوم ادب کو یوں بیان کرتے ہیں کہ: '' ادب ایک لباس سے عبارت ہے جو تحریر اور تقریر کو پہناتے ہیں ''۔ [ix] گویا ادب کے ذریعے تحریروں اور تقریروں کو پُرکشش بنایا جاسکتاہے۔ اس بات کو تقویت گزرے ہوئے مصنفین کی تحریروں سے ملتی ہے۔ ممکن ہے کہ ادب علم نہ ہو۔ لیکن علم کا وجود ادب کے بغیر محال ہے۔ اس لئے معصوم فرماتے ہیں کہ : '' یتیم وہ نہیں جس کا باپ فوت ہوگیاہو، یتیم وہ ہے جو علم وادب سے بے بہرہ ہو''۔[x] انسانی وقار کی سربلندی اور انسانوں میں اچھی صفات کے فروغ کے لئے بھی علم وادب لازمی جزو ہے، کیونکہ ایک ایسا معاشرہ جس کے افراد ادیب وعالم ہوں اس میں دوسروں کے حقوق کی پامالی کم دیکھنے میں آتی ہے اور اگر سب علم وادب سے آشناہوجائے تو تمام طبقوں کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوجائیں۔

حاصل کلام

معاشرے کی سب سے بڑی خرابی اس وقت پید ہوتی ہے جب معاشرہ تعمیر وتخیل اور تخلیق کے معاملات سے دور ہوجاتاہے۔ اس صورت حال کے ذمہ دار وہ ہوتے ہیں جو معاشرے میں موجود افراد کی ذہنی، فکری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے بجائے ان پر شعور وادراک کے دروازے بندکردیتے ہیں۔ ادب معاشرے کا اہم ستون ہے۔ آج سب سے اہم مسئلہ ادب کے معیار کا ہے۔ آج دنیا میں مقابلے کی دوڑ میں شامل ہونے کے لئے ہم نے اپنے اپنے معیارات قائم کرلئے ہیں۔ کہیں ہم ادب کی شائستگی کو معاشرے کی گلیوں میں تلاش کرتے ہیں تو شاعرانہ طبیعت کو استعمال کرتے ہوئے ہجرووصال کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ اب ان میں سے کون سامعیار بہترین ہے یہ تو وقت اور حالات بہترفیصلہ کرسکتے ہیں۔ کیانثر میں ہمارا معیار اس بلندی پر ہے جہاں ہم سرسید، ابوالکلام، اشفاق احمد، مشتاق احمد یوسفی، غلام عباس جیسے بہت سے مصنفوں کی تحریروں کو مستند جانتے ہیں اور ان کے انداز بیان کو اپناتے ہیں۔ کیا ناول نگاری میں وہ معیار موجود ہے جو خدیجہ مستور، ہاجرہ مستور، قرۃ العین، بیگم خورشید اور انہی کے دور کےاور سے بہت سے ناول نگار وں کا آج کے دور میں ناول نگاروں سے موازنہ ہے؟

آج کا ناول نگار ایک افسانہ لکھتا ہے جس میں نہ معاشرے کی عکاسی ہوتی ہے اور نہ اپنی اقدار کی پاسداری کا ان کی تحریروں میں خیال ہے۔ اسی طرح شاعری میں میردرد، غالب، اقبال، فیض احمد فیض۔ اگر ان شخصیتوں کو پڑھ کر کوئی بھی شاعر یا نثر نگار مجموعی طور پر بہترین ادب کا خالق ہوسکتاہے۔ ادب میں تعصب کی کوئی گنجائش نہیں۔ ادب چاہیے کسی بھی ملک کا ہو، کسی بھی شہر کا ہو، یعنی جس بھی رنگ ونسل سے تعلق رکھتاہو، اس کی سب سے اہم ذمہ داری معاشرے کے مزاج کو سمجھنا اور اس کے مطابق تہذیبی، ادبی ، ثقافتی روایتوں کو ہر عام وخاص کے ذہن میں تازہ کرنا ہے۔ آج اکیسویں صدی کے اس دور میں ہر گزرتے پل کے ساتھ ادب کو نئے تقاضوں کا سامنا ہے۔ جہاں امن وآشتی کی آزادی ہر انسان کے دل کی آواز ہے۔

*****

حوالہ جات

i-ڈاکٹر انعام الحق، کوثر، *بلوچستان میں تحریک تصوف* (بلوچستان، سیرت اکادمی،1986ء) 117۔

ii - بیگم خورشید، عبدالحفیظ، *تہنیت* (کراچی، ندارد،1959ء) 99۔

iii-ذوالفقار، زیدی، *اقوال معصومین* (کراچی، الحرمین پبلیشرز، 2002ء) 3۔

iv-بیگم خورشید، *تہنیت* : 100۔

v-وحیدہ نسیم ، *شبو رانی*، ندارد(کراچی، ندارد، 1976ء) 10۔

vi- ایضا: 30۔

vii-ایضا: 480۔

viii-نقی، نقوی، *تاریخ اسلام* (کراچی، پریمہ پرنٹر،1992ء) 10۔

ix-عبدالکریم، *سپرمین ان اسلام* :155۔

x- ایضا: 156۔

کتابیات

1) کوثر،ڈاکٹر انعام الحق، *بلوچستان میں تحریک تصوف*،بلوچستان، سیرت اکادمی،1986ء۔
2) عبدالحفیظ،بیگم خورشید، *تہنیت*،کراچی، ندارد،1959ء۔
3) زیدی،ذوالفقار، *اقوال معصومین*،کراچی، الحرمین پبلیشرز، 2002ء۔
4) نسیم ،وحیدہ *شبو رانی*، ندارد،کراچی، ندارد، 1976ء۔
5) نقوی،نقی، *تاریخ اسلام*، کراچی، پریمہ پرنٹر،1992ء۔
6) عبدالکریم، *سپرمین ان اسلام* ۔